علمِ منطق ـــــ ایک جائزہ

(۴)

جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری ایم اے ایل ، ایل ، بی
سابق رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی اتر پردیش ، علی گڑھ

امام غزالی نے "تہافت الفلاسفہ" میں فلاسفہ کے بیس مسائل کا رد کیا ہے۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ ان میں سے صرف تین مسئلے ایسے ہیں جو حتماً غیر اسلامی ہیں ورنہ باقی سترہ میں سے ہر مسئلہ ایسا ہے کہ فرقِ اسلامیہ میں سے کوئی نہ کوئی فرقہ اس کا قائل ہے[1]۔ اور چونکہ ہر فرقے نے بزعم خویش اپنے معتقدات قرآن کریم ہی سے مستنبط کئے تھے، اس طرح یونانی فلسفہ نے کلام کی وساطت سے تفسیر تک کو متاثر کر ڈالا۔

فقہ کا ماخذ تو کتاب اللہ اور سنت رسولؐ ہے، مگر ان ماخذوں سے احکام فقہیہ کو مستنبط کرنے کے کچھ اصول ہیں، جن کو "اصول فقہ" کہتے ہیں۔ شروع میں یہ علم اجنبی عناصر کی آمیزش سے پاک رہا۔ مگر امام غزالی کے یہاں یہ "اصول فقہ" بھی منطق کی یلغار سے محفوظ نہ رہ سکا، چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :

---

[1] تہافت الفلاسفہ

فاما ابو حامد، فقد وضع مقدمۃ منطقیۃ فی اول المستصفی وزعم ان من لم یعرف بھا علماً فلا ثقۃ لہ بشئ من علوم[1]

پس جہاں تک ابو حامد (امام غزالی) کا تعلق ہے انھوں نے (اصول فقہ میں اپنی مشہور کتاب "المستصفیٰ" کے شروع میں ایک مقدمہ منطقیہ تحریر کیا ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ جس شخص کو اس (مقدمہ منطقیہ کے مسائل) کا علم نہیں ہے تو کسی بھی علم کے بارے میں اس کی معلومات قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔

اور اس کے بعد یہی "مقدمہ منطقیہ" علمائے اصول کا اوڑھنا بچھونا بن گیا۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

وانما کثر استعمالها من زمن ابی حامد لانہ ادخل مقدمۃ فی المنطق فی اول کتابہ المستصفی وزعم انہ لا یثق بعلمہ الا من عرف ھذا المنطق[2]

(اصول فقہ میں منطق) کا استعمال ابو حامد (امام غزالی) کے زمانہ سے بڑھنے لگا ہے کیونکہ انھوں نے اپنی کتاب "مستصفی الاصول" کے شروع میں ایک مقدمہ منطقیہ داخل کیا تھا اور اُن کا خیال تھا کہ جو شخص اس منطق سے واقف ہے صرف اسی کے علم پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

ایک اور مقام پر حافظ صاحب یونانی منطق کے ساتھ ان متاخر علمائے منطق کے توغل کا ذکر کرتے ہیں:

وھؤلاء الذین تکلموا فی الاصول بعد ابی حامد الذین تکلموا فی الحدود بطریق

اور یہ علماء جنھوں نے امام غزالی کے بعد اصول فقہ میں کلام کیا ہے انھوں نے حدود تعریفات

---

[1] ابن تیمیہ: الرد علی المنطقیین   [2] ایضاً

اہل المنطق الیونانی ۔[1] کی بحث یونانی منطق کے ماہرین کے انداز میں کی ہے۔

جہاں تک علوم ادبیہ بالخصوص علم نحو کا تعلق ہے، یہ صحیح ہے کہ اس کی بنیاد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زیر ہدایت ابو الاسود دوئلی نے ڈالی تھی اور بعد میں موخر الذکر کے تلامذہ نے اس فن کو ترقی دی، بالخصوص عیسیٰ بن عمر نے جن کے نحوی شاہکاروں "الاکمال" اور "الجامع" کے بارے میں مشہور تھا:

بطل النحو جمیعاً کلہ غیر ما احدث عیسیٰ بن عمر
ذاک "اکمال" وھذا "جامع" فھما للناس شمس و قمر[2]

اس واقعہ نفس الامری کے ساتھ یہ بات بھی غلط ہے اور اسلام دشمن مستشرقین کی افسانہ تراشی ہے کہ عبداللہ بن المقفع نے ارسطاطالیسی منطق کی دوسری کتاب "باری ارمینیاس" (کتاب العبارۃ) کا جو عربی میں ترجمہ کیا تھا، خلیل بن احمد فراہیدی نے اس ترجمہ (باری ارمینیاس) کی خوشہ چینی کے بعد علم نحو کی بنیاد ڈالی اور اس کے شاگرد سیبویہ نے اسے مکمل شکل میں پیش کیا[3] کیونکہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو اس مناظرہ میں جو وزیر ابن الفرات کے مکان پر ۳۲۱ھ میں ابو سعید سیرانی نحوی اور متی بن یونان منطقی کے درمیان نحو اور منطق کی افضلیت کے بارے میں منعقد ہوا تھا،[4] منطقی کہہ سکتے تھے کہ اے نحویو! کیا تم اسی نحو کو منطق سے افضل کہتے ہو جو خلیل نے اسی منطق (باری ارمینیاس) سے اخذ کیا تھا۔

---

[1] ابن تیمیہ : الرد علی المنطقیین

[2] الفہرست لابن الندیم

[3] دی بوائر: تاریخ فلسفہ اسلام (انگریزی)

[4] ابو حیان توحیدی : الامتاع والموانسہ

لیکن نحو کے مستغنی عن الیونان آغاز کے باوجود بعد کے نحوی اس "تفلسف" اور "تمنطق" سے متاثر ہونے لگے۔ نحو میں اس "تفلسف" کی ابتداء فراء نحوی (متوفی ۲۰۲ھ) سے ہوتی ہے، چنانچہ ابن الندیم لکھتا ہے:

وکان الفراء یتفلسف فی تالیفاتہ ومصنفاتہ یعنی یسلك فی الفاظہ کلام الفلاسفۃ[1]

(مشہور نحوی) فراء اپنی تصانیف اور کتابوں میں تفلسف برتا کرتا تھا یعنی اپنی عبارت میں فلاسفہ کا کلام استعمال کیا کرتا تھا۔

لیکن بعد میں بعض صف اول تک کے نحوی منطق کی دلکشی سے مسحور ہو کر اسی کے ہو لئے۔ چنانچہ تاریخ میں ہے کہ فارابی مشہور نحوی ابوبکر بن سراج سے نحو پڑھا کرتا تھا اور موخر الذکر فارابی سے منطق سیکھا کرتا تھا۔ مگر فارابی نحو سے متاثر منطق سے بیگانہ نہیں ہوا، بلکہ اس کی تجدید کر کے اس نے وہ مقام حاصل کیا کہ تاریخ میں "معلم ثانی" کہلانے کا مستحق ٹھہرا (معلم اول ارسطو تھا) لیکن ابوبکر بن سراج منطق میں مشغولیت کی بنا پر نحو بالکل ہی بھول گیا، چنانچہ ایک مرتبہ وہ اپنے استاد زجاج سے ملنے گیا۔ وہاں نحو کا ایک مسئلہ زیر بحث تھا۔ زجاج نے ابوبکر بن سراج سے اس کی وضاحت کرنے کو کہا، مگر اُس نے غلط توضیح کی۔ اس سے زجاج اتنا برافروختہ ہوا کہ اُسے مجلس ہی میں ضرب و تادیب کی دھمکی دینے لگا۔ اس کی معذرت میں بقول ابن الندیم ابوبکر بن سراج نے کہا:

انی تارك ما درست منذ قرأت هذا الکتاب یعنی سیبویہ لانی تشاغلت عنہ بالمنطق والموسیقی[2]

جب سے میں نے اس کتاب یعنی کتاب سیبویہ کو پڑھا تھا اُس کے بعد سے نحو میں جو کچھ حاصل کیا تھا اُسے میں نے ترک کر دیا ہے کیونکہ میں منطق اور موسیقی میں مشغولیت کی بنا پر ان کی

---

[1] طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۷۸ [2] الفہرست

مباشرت سے محروم رہا ہوں۔

اور پھر متاخرین کے یہاں تو یہ لَے اس قدر بڑھی کہ نحو پر منطق ہی منطق چھا کر رہ گئی۔ "شرح جامی" (الفوائد الضیائیہ) نحو سے زیادہ منطق کی کتاب معلوم ہوتی ہے، اسی لئے مرحوم مولانا آزاد اس کے نام سے بیزار تھے اور انھیں کے ایماء سے یوپی بورڈ کے امتحانِ عالم کے نصاب میں زمخشری کی "المفصل" رکھی گئی۔

غرض علوم اسلامیہ کا پورا سرمایہ یونانی منطق و فلسفہ سے اس درجہ متاثر اور خلط ملط ہو چکا ہے کہ آج اس کی تطہیر عملاً ناممکن ہے۔

حکمت یونانیاں کے ساتھ مسلمانوں کے اعتناء کی تفصیل

جس وقت مسلمانوں میں علوم حکمیہ کے ساتھ اعتناء شروع ہوا تو ان کے سامنے علوم قدیمہ کے تین سرچشمے تھے یعنی ایران، ہندوستان اور یونان۔ مگر تنازع للبقا کی مسابقت میں صرف یونانی علوم ہی اتنے جاندار ثابت ہوئے کہ اس دوڑ میں باقی رہ سکے، ورنہ باقی دو تو نسیاً منسیاً ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ان دو ثقافتوں کے حامی نہ تھے۔

ایرانی علوم کی حمایتی پوری ایرانی قوم تھی۔ مگر وہ ان علوم کو مقبول نہ بنا سکے، حالانکہ اسلامی تہذیب "عجمیوں" (جس سے مراد ایرانی قوم ہے) ہی کے بل بوتے پر قائم ہوئی تھی، چنانچہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں ایک مستقل فصل

"اکثر حملۃ العلم من العجم"

کے عنوان سے قائم کی ہے۔ پھر ایرانیوں میں شروع ہی سے احیائیت پسندی کی تحریکیں (شعوبیت کے نام سے) ظہور میں آنے لگی تھیں، جن کا مقصد قومی خود مختاری کی جدوجہد کے ساتھ قدیم ایرانی تہذیب و ثقافت کا احیاء اور عجم کی واقعی یا مزعومہ عظمتِ ماضی کو اُجاگر کرنا تھا اور جب ان متعصب شعوبیوں کو اس مقصد میں ناکامی ہوئی تو

اپنے اسلاف کا کوئی قابل اعتنا حکیمانہ شاہکار پیش نہ کر سکے تو پھر سکندر کے ایرانی علوم کو نذرِ آتش کرنے کا افسانہ گڑھا گیا اور اس افسانہ کو اس قدر شہرت دی گئی کہ یہ ایک تاریخی مسلمہ بن گیا۔ پھر نوبخت (بزمانہ ابوجعفر منصور ۱۳۶ — ۱۵۸ھ) نے "کتاب النہمطان" میں اور ابومعشر بلخی (شاگرد کندی) نے "کتاب الالوف" اور "کتاب اختلاف الزیجات" میں اسے ایک تاریخی واقعہ کی حیثیت سے قلمبند کیا۔ یہی کتابیں بعد کے شعوبیوں کا ماخذ بنیں۔

پھر ان شعوبی تحریکوں کا نقطۂ عروج باطنی تحریک تھی، جس کے اغراض و مقاصد کے بارے میں عبدالقاہر بغدادی نے لکھا ہے:

"ذھب اکثرھم الی ان غرض الباطنیہ الدعوۃ الی دین المجوس بالتاویلات"[1]

[اکثر متکلمین کا خیال ہے کہ فرقہ باطنیہ کا مقصد تاویلات کے ذریعہ مجوسی مذہب کی طرف دعوت دینا تھا۔]

اور اس تاویل و تدلیس کا سب سے کامیاب طریقہ فلسفہ تھا، اس لئے شریعتِ اسلامیہ کے توڑ کے لئے یہ لوگ فلسفہ کو خصوصیت سے مقبول بنایا کرتے تھے چنانچہ عبیداللہ المہدی نے ابوسلیمان جنابی کو فلاسفہ کی خدمات حاصل کرنے کا خصوصی مشورہ دیا تھا۔[2] لگران شعوبیوں کو اپنے احیائیت پسندانہ جذبہ کی شدت کے باوجود کوئی مزعومہ ایرانی فلسفہ تو مل نہیں سکا اس لئے انھوں نے شروع ہی سے یونانی فلسفہ کا سہارا لیا۔ چنانچہ اموی عہد کے مجوسی کتاب جن میں منطق و فلسفہ کا خصوصیت سے رواج

---

[1] عبدالقاہر بغدادی: الفرق بین الفرق صفحہ ۱۷۶

[2] الفرق بین الفرق صفحہ ۱۷۷ سطر ۱۳

تھا، یونانی فلسفہ کے اتنے رسیا تھے کہ اگر یونانی نام کے کسی مصنف کی تصنیف بھی انھیں مل جاتی تو اُسے ترجمہ کر کے حرزِ جان بنا لیتے کیونکہ وہ یونانی ثقافت سے اس درجہ متاثر تھے کہ یونانی نام ہی اُن کے لئے فلسفی ہونے کی ضمانت تھا۔ جیسا کہ ملا صدرا نے شہاب الدین سہروردی مقتول سے "الاسفار الاربعہ" میں نقل کیا ہے:

نقلہ جماعۃ فی عہد بنی اُمیہ من کتب اسامیھم یشبہ اسامی الفلاسفۃ وظن القوم ان کل اسم یونانی ھو فیلسوف ..... وتبعھم جماعۃ من المتاخرین.... الا ان کلھم انما غلطوا بسبب ما سمعوا من اسامی یونانیۃ لجماعۃ صنفوا کتبا یتوھم ان فیھا فلسفۃ وما کان فیھا شیٔ منھا[1]

اس چیز کو بنو اُمیہ کے عہد خلافت میں ایک جماعت (کُتّاب) نے ایسی کتابوں سے نقل کیا جن کے نام فلاسفہ کے نام سے مشابہ تھے اور قوم نے یہ گمان کیا کہ ہر یونانی نام کسی فلسفی کا ہوتا ہے..... اور اس باب میں متاخرین کی ایک جماعت نے اُن کی تقلید کی .... لیکن واقعہ یہ ہے کہ سبھوں نے غلطی کی کیونکہ انھوں نے ایک جماعت کے یونانی نام سنے جنھوں نے کتابیں تصنیف کی تھیں اور وہم ہو گیا کہ ان میں فلسفہ ہوگا حالانکہ اُن میں کوئی فلسفہ نہ تھا۔

تیسری صدی ہجری کا آغاز خلیفہ مامون عباسی کی حکمت نوازی کا دور ہے، جس کا بچپن ایرانی اخوال میں اور خلافت کا ابتدائی زمانہ کٹر شعوبی وزراء کی صحبت میں گزرا تھا، جس سے اُس نے قدیم ساسانی شاہنشاہان ایران کی اقتدار کو اپنا اصول زندگی بنا لیا تھا، چنانچہ مسعودی "مروج الذہب" میں لکھتا ہے:

---

[1] الاسفار الاربعہ جلد اول

فکان فی بدء امرہ لما غلب فضل بن سہل وغیرہ .... یذھب مذاھب من سلف من ملوک ساسان [1]

مامون خلیفہ اپنے عہد خلافت کے ابتدائی زمانہ میں جبکہ وہ فضل بن سہل وغیرہ لوگوں کے زیر اثر تھا..... قدیم زمانہ کے ساسانی بادشاہوں کا تتبع کیا کرتا تھا۔

مگر اپنی ایران پسندی وعجمیت نوازی کے باوجود، اگر اس نے کسی فلسفہ کے ساتھ اعتنار کیا تو وہ یونانی فلسفہ ہی تھا۔ اُسے خواب میں کسی ایرانی حکیم "جاماسپ" فرشاد شور یا بوزرجمہر کی زیارت نہیں ہوئی۔ زیارت ہوئی تو یونانی حکیم ارسطاطالیس ہی کی ہوئی۔ اسی زیارت سے متاثر ہوکر اس نے بادشاہ روم سے بڑے اصرار کے بعد یونانی فلسفہ وحکمت کی کتابوں کو منگایا حتی کہ اس کے حصول کے لئے اپنے وقار تک کی قربانی دی جیسا کہ ابن الندیم نے لکھا ہے:

فان المامون کان بینہ وبین ملک الروم مراسلات وقد استظھر علیہ المامون .....یسألہ الاذن فی انفاذ مامن مختار من العلوم القدیمۃ المخزونۃ المدخرۃ ببلد الروم فاجاب الی ذلک بعد امتناع۔ [2]

کیونکہ مامون خلیفہ اور بادشاہ روم کے درمیان خط وکتابت ہوئی اور مامون نے اُس پر زور ڈالا اور اس بات کی اجازت مانگی کہ روم کے علاقہ میں علوم قدیمہ میں سے جو پسندیدہ کتابیں ذخیرہ کی ہوئی مخزون ہیں اُنھیں (بغداد) روانہ کردے۔ پہلے تو بادشاہ روم نہیں مانا مگر مامون کے اصرار سے آخر مان گیا۔

مامون ہی کے زمانہ میں حسب تصریح عبدالقاہر بغدادی تحریک کا آغاز ہوا جس نے چوتھی صدی کے آغاز میں ایک خطرناک فتنہ کی شکل اختیار کرلی۔ جیسا کہ سابق میں مذکور ہوا

---

[1] مروج الذہب للمسعودی [2] ابن الندیم: کتاب الفہرست

[3] کتاب الفہرست

اس تحریک کا مقصد اسلام کو متاصل کرنا تھا۔ اس کے بعد جو فکری خلا پیدا ہوتا اسے باطنی دعاۃ فلسفہ سے پُر کرنا چاہتے تھے اور اس کے لئے یقیناً ان کی آنکھیں ایران کے مزعومہ سرمایۂ حکمت کی طرف لگی ہوئی تھیں، مگر جب کچھ نہ ملا تو تھک ہار کر اسی یونانی فلسفہ کا سہارا لیا اور اپنے مریدوں کو حکمائے یونان ہی کی کتابوں کے مطالعہ کی سفارش کی۔ چنانچہ مقریزی اس باطنی دعوت کی منازل نہگانہ میں سے چھٹی منزل کے بارے میں ان دعاۃ کا عمل بتاتا ہے:

الدعوۃ السادسۃ ..... فاذا طال الزمان وصار المدعو لیعتقد ان احکام الشریعۃ کلہا وضعت علی جہۃ الرمز لسیاسۃ العامۃ نقلہ الداعی الی الکلام فی الفلسفۃ وحضہ علی النظر فی کلام افلاطون وارسطو وفیثاغورث ومن فی معناہم[1]	دعوت ششم ..... جب کافی زمانہ گزر جائے اور نوآموز یہ عقیدہ رکھنے لگے کہ جملہ شرعی احکام برسبیل رمز عوام کی سیاست کے لئے وضع کئے گئے ہیں تو داعی اسے فلسفہ و حکمت میں کلام کی طرف ملتفت کردے اور افلاطون، ارسطو، فیثاغورث اور ان جیسے فلاسفہ کے کلام میں غور و فکر کرنے پر برانگیختہ کرے۔

اگلی صدی (پانچویں صدی کا ثلث اول) شیخ بوعلی سینا کے بلوغ کا زمانہ ہے وہ ایک اسماعیلی خاندان میں پیدا ہوا تھا اور خود اس کا رجحان بھی اس مذہب کی طرف تھا۔[2] قومیت کے جذبہ سے متاثر ہو کر اس نے "دانشنامہ علائی" عربی کے بجائے فارسی زبان میں لکھا حتی کہ مصطلحات بھی فارسی ہی کے وضع کئے۔ مگر مواد اُسی یونانی، ارسطاطالیسی فلسفہ سے لیا۔

---

[1] المقریزی: کتاب الخطط الجزء الثانی

[2] سرگزشت ابن سینا نیز الرد علی المنطقیین

اگلی صدی کے وسط میں شہاب الدین سہروردی مقتول (متوفی ۵۸۲ھ) نے ایران قدیم کی مزعومہ حکمت (الحکمۃ المشرقیہ) کو جاماسپ، فرشادشور، بوزرجمہر اور ان کے پیشروؤں کا حکمتی ورثہ بتاکر پیش کیا مگر اسے قبولِ عام حاصل نہ ہوسکا۔ قبول عام ملا تو اُسی مشائی (ارسطاطالیسی) فلسفہ کو جس کی تجدید عہد اسلام میں شیخ بوعلی سینا نے کی تھی۔

اس تفصیل سے واضح ہوجاتا ہے کہ خواہ ایران قدیم میں کوئی فلسفہ رہا ہو یا نہ رہا ہو، بہرصورت وہ اتنا جاندار نہ تھا کہ کسی سنجیدہ اعتناء کا مستحق ٹھہر سکتا۔

(باقی)

جواہر الفقہ (عکسی)

علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، تاریخ فرقِ اسلام، کفر و ایمان کی حقیقت، ردِّ بدعت، قادیانیت و شیعیت، عربی میں خطبۂ جمعہ کیوں؟ سمت قبلہ، قرآنی رسم الخط کے علاوہ فلسفۂ اسلام، علم کلام اور سائنس و شریعت کے درپیش جدید مسائل کے حل پر مشتمل چوبیس فقہی کتب کا مجموعہ۔

اہم عنوانات: تکفیر کے اصول، کیا قرآن کریم کا صرف ترجمہ شائع کیا جاسکتا ہے، مسئلہ تقلید شخصی، دوسرے مذاہب پر فتویٰ دینے کے حدود، پیر و مرید کا فقہی اختلاف، دست بوسی، قدم بوسی، مروجہ سیرت کمیٹی اور اس کی شرعی حیثیت، مساجد کی نئی شکلیں اور ان کے مقاصد، سمت قبلہ، اوزان شرعیہ، رویت ہلال وغیرہ وغیرہ — تالیف مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ — سائز $\frac{18\times22}{8}$ صفحات ۵۲۰ مجلد قیمت -/۲۲

مکتبہ برہان، اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶